مرزا داراب بیگ۔ جویا کشمیری

کشمیر اپنی تہذیب، تاریخ اور ثقافت کے لحاظ سے ہمیشہ ممتاز رہا ہے۔ ایران اور وسطِ ایشیا سے مذہبی اور ثقافتی تعلقات کے نتیجہ میں کشمیر میں فارسی زبان پھیلی ہندو راجاؤں اور خاندانِ شاہ میر کے ابتدائی دور میں سنسکرت دربار کی زبان تھی۔ لیکن شہاب الدین سلطان کے عہد سے فارسی نے اس کی جگہ لینی شروع کی جو کہ تعلیم یافتہ طبقوں کی زبان بن گئی تھی۔ ایران سے اس کے روابط تاریخی حیثیت رکھتے ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی، تہذیبی اور تعلقات کی قدامت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔ کشمیری حسن اور آرٹ سے کشمیر میں فارسی علم و ادب کی توسیع و ترقی میں سب سے نمایاں کارنامہ سلطان زین العابدین کا ہے جو خود شاعر تھا اور فارسی نثر میں دو کتابوں کا مصنف تھا۔ علمی کتابوں کے فارسی تراجم کی ہمت افزائی کی۔ سلطان زین العابدین کا بیٹا اور جانشین حیدر شاہ بھی شاعر تھا۔ سلاطین کے نقشِ قدم پر امرا بھی چلے۔ جن کے ارد گرد عالموں کا ہجوم رہتا تھا۔ چک خاندان کے دور میں بھی فارسی علم و ادب کی ترویج ہوتی رہی۔ مغلوں کے دور میں فارسی زبان و ادب کا عروج ہوا۔ خواجہ حافظ شیرازی نے تخیل کی بلند پروازی کے ساتھ کتنی حقیقت افروز بات کہی ہے[1]۔

بہ شعر حافظ شیرازی گویند و می رقصند
سیہ چشماں کشمیری و ترکان سمرقندی

اس مردم خیز خطے نے بہت سے عالم، فاضل اور شعراء جنم دئے ہیں، جن کو اپنی انفرادی خصوصیات کے لحاظ سے صفحاتِ تاریخ پر نمایاں مقام حاصل ہے۔ کشمیری کے فارسی شعرا میں مظہری محسن فانی، شیخ یعقوب صرفی،

حبی، غنی، جویا، گویا، آشنا، بینش سلیم کو قبول عام ہے۔ وہ ان کے باکمال ہونے کی ایک روشن دلیل ہے۔ کشمیر کے یہ شعرا ایران کی فارسی شاعری میں ہمیشہ کیلئے اپنی جگہ اختیار کر چکے ہیں۔ شاعرانہ نکتہ سنجیوں، قدرت کلام اور اصناف شعر پر فن کارانہ قدرت کے اعتبار سے کشمیر کے یہ فارسی شعر ہر دور میں مقبول رہے ہیں۔ داراب جویا کشمیری کا نام بھی ان شعرا میں شامل ہے کہ جنہوں نے کشمیر کے حسن اور نفاست سے متاثر ہو کر ہمیشہ کیلئے اس کو اپنا وطن بنایا اور کشمیر میں شعر و ادب کی محفلوں کو گرما کر فارسی علم و ادب کی آبیاری کی ہے مگر افسوس ہے کہ اس شاعر کے حالات بہت کم دستیاب ہوئے ہیں۔ داراب جویا کا ذکر جن تذکروں میں ملتا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

ہمیشہ بہار، تاریخ اعظمی، ریاض الشعرا، مجمع النفائس، تاریخ حسن جلد چہارم، تاریخ کبیر کشمیر، صحف ابراہیم، مرات آفتاب نما، تاریخ محمدی، ایران صغیر، فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب، صبح گلشن، سفینہ خوشگو، ریحانۃ الادب، تذکرہ ملوک و فضلا اور تذکرہ شعرائے کشمیر از راشدی، کشمیر میں فارسی ادب کی تاریخ، پاری سرایان کشمیر۔

بہر حال ان تذکروں کے مطالعہ کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ جویا کے آباو اجداد ایران کے رہنے والے تھے۔ چونکہ اس زمانے میں ہندوستان میں تیموری خاندان شاہانہ فیاضیوں کا دریا بہا رہا تھا اور ایران کے شعرا دولت کی کشش سے ادھر چلے آئے تھے۔ ہندوستان اس معرکہ میں ایران سے بازی لے گیا تھا۔ فارسی شعر کی تاریخ میں ہندوستان کی فارسی شاعری نے ایک خاص جدت اختیار کی اور بقول مولانا شبلی یہ جدت حکیم ابوالفتح کی تعلیم اور خان خانان کی شاہانہ فیاضیوں اور شاعرانہ نکتہ سنجیوں کا نتیجہ تھی اور شعر و شاعری کے لئے ابر کرم ثابت ہوئی۔[۲]

ان حالات کی وجہ سے جویا کے آباو اجداد نے ایران کو چھوڑ کر ہندوستان کا رخ کیا اور کشمیر کو اپنا مستقل مسکن بنایا۔ مرزا داراب بیگ نام اور تخلص جویا تھا۔ ملا سامری باپ کا نام تھا۔ چونکہ ملا سامری خود ایک عالم اور فاضل، سخن فہم اور شاعر تھا۔ اس لئے اپنے بیٹے جویا کی تعلیم و تربیت میں دل چسپی لی۔ جویا کی پیدائش کشمیر میں ہوئی ہے۔ بعض تذکروں کے مطابق جویا کی تربیت تبریز میں ہوئی۔ مگر یہ رائے قرین

قیاس سے بعید معلوم ہوتی ہے۔ جویا کا بھائی مرزا کامراں بیگ گویا بھی شاعر تھا۔

مؤلف تاریخ کبیر کشمیر لکھتے ہیں کہ داراب جویا مرزا سامری کے فرزند رضا علی تجلّی کے ہم درس اور ہم صحبت شاعر ہوگزرے ہیں۔ وہ اہل تشعیہ کے اعتقادات سے منسلک تھے۔ انہوں نے گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں جنم لیا اور ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ ان کا اصلی وطن تبریز تھا۔ ابوطالب کلیم اور مرزا صائب سے بھی مشورہ سخن کیا۔

مؤلف صبح گلشن نے ایک لطیفہ بیان کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ایک روز گویا اور جویا دونوں بھائی محمد علی ماہر کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ تو باتوں باتوں میں جویا نے کہا کہ ہم دونوں بھائیوں نے ابوطالب کلیم کے نام اور تخلص کو برابر تقسیم کر کے اپنا اپنا تخلص اختیار کرلیا ہے۔ محمد علی ماہر نے کہا کہ ایسا نظر آتا ہے کہ ان کے مصائب اور معنی کو بھی اپنایا ہے۔

خواجہ محمد دیدمری لکھتے ہیں کہ کامران مرزا گویا ایک روز نووارد ایرانی شاعر سے بے ادبانہ اور گستاخانہ طور پر ملے۔ شاعر حساس تھا۔ گستاخی برداشت نہ کرسکا اور فوراً کہنے لگا کہ لعنت ہو ایسے سامری پر کہ جس نے تم جیسے گوسالہ کو گویا بنادیا۔ سالک یزدی اور سالک قزوینی کے ساتھ بھی جویا کے تعلقات دوستانہ تھے۔

جویا کے خاندان کے دیگر افراد بھی شاعر تھے۔ گویا کے علاوہ ان کا ایک اور بھائی مرزا فتح علی بیگ بھی صاحبِ دیوان شاعر تھا اور ان کا پوتا عبدالعلی تحسین بھی شاعر تھا۔ ملک سلطان جو کہ ان کا سالہ تھا۔ فارسی میں شاعری کرتا تھا اور تمکین تخلص تھا جویا کے شاگردوں میں محمد اعظم دیدہ مری، ملا ساطع کشمیری، عبدالغنی قبول، فضل علی بیگ، میر سید احمد فائق اور سیادت شامل ہیں۔ جویا کے تعلقات حکام کے ساتھ دوستانہ تھے۔ فاضل خان گورنر کشمیر کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے۔ کہتے ہیں کہ ان کے حکم پر جویا نے اپنی بہترین مثنوی جھیل ڈل پر لکھی تھی۔ کلیات میں فاضل خان کے نام جویا کے دو خط بھی ہیں۔ علی مرداں خان اور ابراہیم خان گورنروں کے پاس جویا کا آنا جانا تھا۔

ابراہیم خان کے لڑکے فدائی خان کی تعریف میں ایک رباعی بھی دیوان میں موجود ہے۔ فدائی خان نے ۱۶۸۲ء میں تبت فتح کیا تھا جس پر اسکے والد کو پنج ہزاری اور خود فدائی خان کو ایک ہزاری منصب ملا تھا۔

نواب ماہ فتح تبت کامیاب شد
جویا ہزار شکر کہ دنیا بہ کام ماست

کشمیر کے حاکموں کی نظر میں جویا کو ایک خاص مقام حاصل تھا۔ ابراہیم خان، حفظ اللہ خان اور فاضل خان جو یکے بعد دیگرے کشمیر کے گورنر ہوئے، جویا کی خاص عزت کرتے تھے۔ جویا نے ان کی تعریف میں قصیدے بھی لکھے تھے۔ ابراہیم خان کی تعریف میں کہا ہے ۔

نواب در و نشستہ چوں مردم چشم
خدام بہ دورش زدہ صف چوں مژگان

جویا کے اشعار کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ جویا لاہور کے ساتھ بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔ مگر لاہور میں لوگوں نے جویا کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ چنانچہ جویا نے اس شعر میں لاہور والوں کی ہجو کی ہے مگر بقول مولف فارسی ادب بہ عہد اورنگ زیب جویا کا لاہور کے ساتھ کچھ اور ہی تعلق تھا تو وہاں کے دلبروں کی بے جھجک آمیزش جویا کو گرویدہ کے ہوئے تھی

لاہور کہ دلبرش بسے عیار است
از شوخی طبع باکہ دمہ یار است

.....

در راہ شوق جاناں عزم سفر مبارک
بر فوج غم دلم را فتح و ظفر مبارک
بستم میاں ہمت جویا بہ سیر لاہور
امدی وصل یاری نازک کمر مبارک

جویا نے لاہور کے علاوہ ہندوستان کے دوسرے شہروں کی بھی سیر کی تھی اور ہندوستان کے ساتھ ان کو بڑی دلچسپی تھی

در ہند کہ دیدہ را غبارش مددی است
ہر قبضہ خاک خلد را دست ردی است

هر سو طاوس مست برنخل بلند
همچو سبد گل به سر سرو قدی است

لیکن ہندوستان کی آب وہوا میں کشتِ امید آسانی سے سرسبز نہیں ہوتی بلکہ اس کی آبیاری بسا اوقات عزتِ نفس سے کرنی پڑتی ہے

در سوادِ ھند دست از لذت دینا بشوی
جز جگر خواری نباشد نعمتی برخوان ھند
کشت امیدش در ایں کشور نیا بد خرمی
تانریزد آبرو از مرو چون باران ھند

کہتے ہیں کہ جویا نے ایک سنی عالم کے ساتھ شوخی کی تھی اور کہا۔

برسرش گل باد گرز آتشیں
برتنش نارِ جہنم نورباد

اس لئے مرزا جویا کی وفات کے موقعہ پر ایک سنی شاعر نے اس شوخی کا جواب یوں دیا۔

رافضی تاریخ جویا بست ہفتش بود کم
چونکہ گز کردند اور اگشت تارتخش درست

جویا کو پان کھانے کی بڑی عادت تھی۔ ابراہیم خان گورنر کشمیر اکثر ہندوستان سے ان کیلئے پان منگایا کرتے تھے۔ چنانچہ پان کی تعریف میں کہتے ہیں

نسبتے باشد بتانِ ہندرا باپان ہند
حاصل نہ بود بجز خون خوردن از سبزان ہند
میکند از بس زموی سر خود آرائی بجاست
گر بدرد آیہ سر معشوقی سردان ہند

در سوادِ ہند دست از لذت دنیا بشوی
جز جگر خواری نباشد نعمتے برخوان ہند
از فریب وعدۂ ہندی نژادان غافلی
ضعف در پیماں ایں قوم است چوں پیماں ہند

نواب فاضل خان کی فرمائش پر جھیل ڈل کے چراغاں کے موقعے پر حسب ذیل اشعار لکھے تھے

تعالیٰ اللہ! ازیں بزم دل افروز
کزو شب طعنہ زن گردیدہ بر روز
ازیں بزم چراغاں چشم بد دور
کہ شد چون صبح صادق مشرق دور
وفور نورش از فیض الٰہی
ز داغ لالہ سبز دودہ سیاہی

مثنوی حسن معنی سے بھی چند اشعار ملاحظہ کیجیے

بیا ساقی! بہار آمد بصد رنگ
سوی کشمیر باید کرد آہنگ

بدہ می تا دمے از خود برآیم
نخستین کوہسارش را ستایم

تعالیٰ اللہ! زہے کہسار کشمیر
کہ شد در سایہ او آسمان پیر

خصوصاً پیر پنچال فلک شان
بود ماضی چراغ زیر دامان

در وصف باغ شالیمار

بیا ساقی که فصل لاله زار است　　هوای سیر باغ شاله مار است
تعالی الله! زهی فردوس مانند　　بهر شاخش دل چون غنچه در بند
درو عالی بنا قصری است پرنور　　که بادا از نگاهش چشم بد دور
برفعت آسمان آسمان است　　علم طاقش برنگ کهکشان است

در تعریف باغ نشاط

بیا ساقی که فصل انبساط است　　می عشرت بده باغ نشاط است
درین عالی بنا آب روان است　　که دل کش همچو عمر جاودان است
که فواره اش از تر زبانی　　بسرو بوستان مصرع رسانی
گلشن در زیر سنبل گشته پنهان　　چو در خط گونه گلرنگ خوبان
درختانش همه معشوق سرکش　　همه پیمانه لاله سرکش
چو این گلزار باغ پادشاهی　　نشانش لاله داغ پادشاهی است

نسیم باغ کی تعریف

بیا ساقی خدای ما کریم است　　می آن را ده که در باغ نسیم است
نسیمش بشگفاند غنچه دل　　بر ویاند گل خورشید از گل
سفید ارش بگردون سر کشیده　　درختانش جوانان رسیده
انارش از لطافت روح را قوت　　نماید در نظر با درج یاقوت
ز شاه آلو بود زینت چمن را　　که وصفش میکند رنگین سخن را
ز انگورش می عشرت بکام　　بود از وصف او شیرین کلام

باغ بحر آرا کی تعریف میں

ز وصف بحر آرا تر زبانم — فصاحت بندہ حسن بیانم
تعالی اللہ! زہے جوش بہارش — طراوت سایہ پرورہ چنارش
چنارش بر کنار ہر خیابان — نماید چوں جوانان نمایان
بود ہر برگش از باد بہاری — چو دست مہرگرم رعشہ داری

باغِ الٰہی کی تعریف میں

بہشت جاودان باغ الٰہی است — کہ دروی باغبانی بادشاہی است
چنار او کشیدہ بسر بکیواں — سر و سرکردہ بالا بلندان
فلک از ہیبت سالش رمیدہ — زمین در سایہ او آرمیدہ
باوجش کے تواند پے برد مہر — یکی از زیر دستانش بود مہر
خوشا شہری کہ باغش نور باغ است — ز رشک لالہ ش فردوس باغ است

جوہر ناگ کی تعریف میں

جندا کشمیر و جوہر ناگ او — حوض کوثر بہشت آمادہ است
گرنہ او آئینہ وجہ اللہ است — دائی آبش چرا استادہ است
سید تالابہا میخوانمش — دیدید دورا! کوثر زادہ است

یوں تو جویا نے ہر صنفِ سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ اس میں غزلوں کے علاوہ قطعات، مثنویات، قصائد، رباعیات اور نثر کے نمونے بھی موجود ہیں۔ اس طرح معلوم ہوتا ہے کہ وہ پر گو شاعر تھے۔ ڈاکٹر محمد باقر لاہور کے قول کے مطابق جویا کی غزلیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں۔ ان کی غزلوں میں تازہ مضامین استعارات، ترکیبات، مجاز، مراۃ النظر اور تمثیل وغیرہ خصوصیات موجود ہیں۔ بعض اشعار میں لطافت بیان

اور جدت مضامین موجود ہیں۔

جویا کی شاعری میں شوکت الفاظ، بلند پردازی اور نازک خیالی بہت ہے اور تاثیر کم۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ فارسی کے شعراء میں غنی اور مرزا صائب کے کلام سے بہت متاثر ہیں۔ چونکہ یہ خصوصیات خارجی ہیں، داخلی نہیں۔ ان کی بنیاد تخیل پر ہے، جذبات پر نہیں۔ اس لئے جویا کہ شاعری کا بیشتر حصہ خارجی خصوصیات کا حامل ہے۔ بقول علامہ اقبال یہ دور طاوس ورباب کا دور تھا۔ جویا کے کلام سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ وہ زیادہ تر فن کے متوالے تھے۔ چنانچہ ان کی اکثر غزلیں دستکاری اور مینا کاری کی شکار ہوگئیں ہیں اور ان میں رنگ تغزل کی بھی کمی ہے۔ اس کی وجہ صرف زور تخیل ہے۔ آخری دور کے کلام میں تخیل کی بلندی اور پرواز کا تعلق سادگی اور تصنع ہے۔ اس لئے رعایت لفظی، ابہام اور فرضی تشبیہات استعارات سے بچنا ناممکن ہوجاتا ہے

نگاہ او چو خون ریز است از پہلوی مژگانش
چو ماہی با خود ایں خنجر ھزاران نیشتر دارد
خوش است بوسہ بر آن لعل خط دمیدہ خوش است
بے حلاوت تفتالوی رسیدہ خوش است
مشہد بہارو بیخودیم از نشہ جام ہوا
توبہ مارا شکست امروز ابرام ہوا

ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا ایران کے ایک جدید تنقید نگار اور مفکر نے جویا کے کلام کو سراہا ہے اور جویا کے رنگ تمثیل کی بڑی تعریف کی ہے کیونکہ جویا نے تمثیل کے پرایہ میں مجازی اور استعاری ترکیبات کا استعمال کیا ہے جو بہت ہی موزوں اور برمحل ہے

یا قوت را مناسبتی نیست بالبش
یعنی کہ بانبات چہ نسبت جمادرا

در حیرتم کہ جاں بکجا یش فدا کنم
از بس گرفتہ شوق سراپای او

جویا کی رباعیات میں تاثر سوز سادگی اور شرینی ملتی ہے۔

جویا! خود را مستہور مکن
بسیار ازین مقلہ مذکورہ مکن
باشد نمک صحبت احباب سخن
بے قاعدہ رسش صرف بکس شور مکن

معشوقی او اگرچہ باشد بکمال
بیگانہ دیدہ ہاست آن حسن و جمال
ہمچوں نرگس نہ پیچ جارہ نبرد
گر چشم زشش جہت برآرد پر و بال

قصیدے میں وہ شکوہ الفاظ، بلندی مضامین اور نازک خیالی کا خیال رکھتے ہیں۔ ذیل کا قصیدہ جویا نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی تعریف میں لکھا ہے۔ اس میں قصیدے کے تمام لوازمات موجود ہیں اور یہ قصیدہ ان کے استادِ فن ہونے کی دلیل ہے۔ یہ قصیدہ فارسی زبان کے مشہور قصیدہ گو شاعر خاقانی کے طرز میں لکھا گیا ہے۔ صفائی بندش سلاست اور استواری کلام ہر جگہ نظر آتا ہے۔ خوش آہنگ الفاظ سے موسیقی کا عالم پیدا کر دیا ہے۔

نو بہار دردم کہ داغت گل سو دای من
صد چو محبو بند پیگم کردند صحرائے سن
چاک شد دامان صحرا از خراش نالہ ام
من کجاو درد ہجر کجا وای من
خشک شد خوں در رگ گل بے بہا جلوہ ات
نو بہار من گل من سرو من رعنای من

بقول نورالحسن انصاری جویا اس دور کے عام انداز کے طرح بڑی پر تکلف اور مرصع نثر لکھتے تھے۔ دیباچہ نگاری سے انہیں خاص دلچسپی تھی۔ کلیات میں چار کتابوں پر دیباچے موجود ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ تاریخ ادبیات ایران از براون، جلد ۳، ص ۲۸۴۔

۲۔ شعرالعجم، حصہ سویم، از مولانا شبلی۔

۳۔ تاریخ اعظمی، ص ۲۰۷، مطبوعہ لاہور از محمد اعظم دیدہ مری۔